شریعت اسلامی میں رسم ورواج کے ساتھ تعامل کا جائزہ: مختلف اسلامی ادوار کی روشنی میں

Interaction of Islamic Sharia with Customs and Traditions: A Research Study in Light of Various Islamic Eras

ڈاکٹر قبلہ ایاز*
ڈاکٹر نیاز محمد**

Abstract:

Customs and traditions have a significant role in the social set up of every society. These customs project a picture of its culture, manners, beliefs, mental inclinations and life style. For social advancement, it is necessary for a nation to take reformative steps with respect to changing situations .They should adopt the customs that are productive and avoid the harmful ones. It has been a ground reality that the progressive nations have got the leading position having modifying their customs and traditions, while those who have been conservative are backward in the global race restricting on their outdated norms and so called customs.

In the prestigious age of the Holy Prophet (BPUH) and his followers, various laws and principles were formulated for the uplift of society, which provided a broad based concept of "custom". The Islamic jurists have taken the custom as a source of Islamic legislation.

In the article under reference, custom has been highlighted with respect to Islamic thoughts in various ages of Islamic history in a number of recommendations have been presented in order to uplift the society and to aware the Muslim theologians and Muftees accordingly.

اسلام کا مقصد اصلی بنی نوع انسان کے افکار کی اصلاح اور تعمیر ذات و کردار ہے۔اس کردار سازی کے عمل میں حسن معاشرت کو ایک کلیدی حیثیت حاصل ہے جس کا تعلق براہ راست معاشرہ کے رسوم و رواج سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ورود عرب معاشرے میں ہوا جس میں دنیا کے دیگر معاشروں کی

---

* سابق ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی۔
** پروفیسر علوم اسلامیہ، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان۔۔

طرح رسوم و رواج کی جڑیں انتہائی مضبوط تھیں ۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ نے ان رسوم و رواج کی ضروری اصلاح کا آغاز کیا جو عرف و تعامل انسانی اقدار کے خلاف نہیں تھے انہیں برقرار رکھا گیا اور جو اعلیٰ انسانی اقدار کے خلاف تھے ان میں ضروری اصلاح کی اور اور نا قابل اصلاح ہونے کی صورت بنی تو عضو فاسد کی طرح اُس رواج کو انسانی فطرت کے خلاف قرار دے کر بالکلیہ ختم کیا گیا۔

معاشرتی زندگی میں رسم ورواج کی اہمیت کے پیش نظر شرعی احکامات پر یہ مقالہ پیش کیا جاتا ہے جسے درج ذیل مباحث کے تحت پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا ہے:

مبحث اول: رسم ورواج کی اہمیت: سماجی ومذہبی تناظر میں

مبحث دوم: استنباط احکام میں رسم ورواج کی اثر پذیری: دور نبوی وصحابہ کے تناظر میں

مبحث سوم: استنباط احکام میں رسم ورواج کی اثر پذیری: دور تدوین فقہ میں

مبحث چہارم: عصر حاضر میں استنباط احکام میں رسم ورواج سے استفادہ

خلاصہ بحث

مبحث اول: رسم ورواج کی اہمیت: سماجی ومذہبی تناظر میں:

ہر قوم کے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رسوم ورواج کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور اس کی تہذیب و ثقافت، اخلاق و عادات، مذہبی عقائد، ذہنی رجحانات اور طرز معاشرت پر ان کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ کسی قوم کے ترقی یافتہ اور خوش حال یا زوال پذیر اور افلاک زدہ ہونے میں رسوم ورواج کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور کسی معاشرہ کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کے لیے رسم ورواج کی اصلاح ناگزیر ہو جاتی ہے۔ قومی ترقی اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے یہ لازمی ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسوم ورواج میں بھی تبدیلی کی جائے، بری رسمیں چھوڑی جائیں اور اچھی رسمیں اختیار کی جائیں اور جو قوم اس اصول پر عمل نہیں کرتی اور اپنی جہالت، قدامت پرستی اور تنگ نظری کی بدولت بری رسموں پر آنکھ بند کرکے عمل پیرا رہتی ہے، وہ اپنے معاشرہ کی اصلاح وترقی میں خود ہی رکاوٹیں پیدا کرتی اور اپنے مستقبل کو تاریک تر بنالیتی ہے[۱]۔

کسی معاشرہ میں جس چیز کا رواج ہو جاتا ہے اور لوگ جس کام کو کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس کو وہ اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ وہ رسوم ورواج کو بھی محض عادت پڑ جانے کی وجہ سے اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ رسم ورواج پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان کی اچھائی اور برائی پر غور نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو اختیار کرنے میں اندھی تقلید کی جاتی ہے۔ اس لیے لوگ ان کے خلاف

ہر کام کو معیوب خیال کرتے ہیں اور رسم و رواج کی پابندی کرنے کا جذبہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ بہت ہی معیوب اور نقصان رساں رسموں پر بھی سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ان کو اس لیے برا نہیں کہا جاتا کہ سب لوگ ان برائیوں کے عادی ہو جاتے ہیں۔ روایات پر عمل اور تقلید کی وجہ یہ عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ بعض لوگ ایسے رسوم و رواج پر عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جو خود ان کے مذہبی عقائد کے خلاف ہوتے ہیں[۲]۔

پیغمبر ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک کے زمانے پر محیط اس عرصے میں قانون ساز اداروں اور فقہاء نے اپنے زمانے اور معاشرے کے رسم و رواج کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف قوانین واصول کو وضع کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ معاشرتی رسم و رواج اور عادات میں تبدیلی ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ شریعت اسلامی کا نزول اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے مصالح و حقوق کو منظّم کرے، کجی کو درست کرے، تحریفات کا خاتمہ کرے اور اگر کسی بناء پر بھی سماجی سطح پر غلط اقدار رواج پانے لگیں تو ان کی اصلاح کرکے ان میں اعتدال پیدا کرے۔ عرف اور رسوم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ وہ معاشرے، قبیلے یا جماعت وغیرہ میں ایسے تواتر اور تسلسل کے ساتھ رائج ہوتے ہیں کہ اس کو ترک کرنا ضرر اور مشقت کا سبب بنتا ہے اور یہ چیز اسلام کے عمومی مزاج "يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا[۳]" کے عمومی مزاج کے خلاف ہے لہٰذا سماجی رسومات چونکہ قومی اقدار کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اس لئے شریعت انہیں انتہائی لائق توجہ سمجھتی ہے۔

انبیاء کے معاشرتی و سماجی زندگی کی اصلاح کے طریقہ کار کو دیکھا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ انبیاء کرام کا بھی بعثت کے بعد یہ طریقہ رہا کہ جس قوم میں وہ مبعوث ہوئے ان کی عادات اور رسوم کو بھی مدّ نظر رکھتے اور ان رسوم و رواج کو مصلحت کلیہ کے اصول پر پرکھتے چنانچہ جو رُسومات و عادات مفاد عامہ کے موافق ہوتے ان کو برقرار رکھتے اور اگر وہ عادات و رسوم مصلحت عامہ کے موافق نہ ہوتیں تو انبیاء کرام ان کی کسی حد تک اصلاح کرتے تاہم اس اصلاح میں بھی اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا کہ اس ترمیم سے وہ عرف و رواج بالکل غیر مانوس نہ ہو جائیں بلکہ خرابیوں کو نکال کر ان کو شریعت میں تسلیم کے قابل بنا دیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وَمَا كَانَ من بَاب الْعَادَات وَغَيرهَا، فَبيَّن آدابها ومكروهاتها مِمَّا يحْتَرز بِهِ عَن غوائل الرسوم، وَنهى عَن الرسوم الْفَاسِدَة، وَأمر بالصالحة، وَمَا كَانَ من

مَسْأَلَة أَصْلِيَّة أَو عملية تركت فِي الفترة أَعَادَهَا غضة طرية كَمَا كَانَت، فتمت بذلك نعْمَة الله، واستقام دينه[٤]"۔

(اور جو امور عادات و رواج کے متعلق تھے، تو اس کے آداب بیان کئے اور اس کے وہ ناپسندیدہ جہات بیان کئے جس کی بدولت رسومات میں پڑ جانے سے بچا جاسکے۔ برے رسومات سے روکا اور اچھے رسومات کا حکم دیا اور جو اعتقادی و عملی رسومات (انقطاع وحی/فقرۃ وحی) کے دور میں متروک ہو گئے تھے، انہیں نئے روپ میں اپنی اصلی شکل میں متعارف کرایا۔ اس طرح انسانیت پر اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوئی اور اس کا دین قائم ہوا)۔

جج، مفتی حتیٰ کہ مجتہد کے لئے بھی عرف یا علاقائی رسم و رواج سے باخبر ہونا ضروری ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"وَاعْلَمْ أَنَّ اعْتِبَارَ الْعَادَةِ وَالْعُرْفِ يُرْجَعُ إلَيْهِ فِي الْفِقْهِ فِي مَسَائِلَ كَثِيرَةٍ حَتَّى جَعَلُوا ذَلِكَ أَصْلًا"[٥]۔ (جاننا چاہیے کہ عرف وعادت کا اعتبار ہوتا ہے، اس کی طرف فقہ میں بہت سے مسائل کے اندر رجوع کیا جاتا ہے یہاں تک کہ علماء نے اس کو ایک اصل (شرعی) قرار دیا ہے)۔

بہت سے مسائل میں اہل زمانہ کے عرف کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے لہٰذا بسا اوقات متقدمین فقہاء کرام نے کسی مسئلہ میں کئی آراء ذکر کی ہوں اور اس میں ترجیحی قول کو نقل نہ کیا ہو تو اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے زمانے کے عرف کے مطابق کسی قول کا ذکر کیا، ہم بھی اسی کو بنیاد بنا کر اپنے زمانے کے مطابق فتویٰ دیں گے چنانچہ شرح عقود رسم المفتی میں ذکر ہے:

"قد تغيرت احكامها لتغيير الزمان ، إما للضرورة، وإما للعرف و إما لقرائن الأحوال"[٦]۔ (بدلتے زمانے کے ساتھ احکام بھی بدلتے ہیں، ضرورت کی بناپر، یا عرف و رواج کی بناپر یا حالات کے تقاضہ و قرآن کی بناپر)۔

الغرض زندگی کے ہر شعبے میں انسانی زندگی عرف و رواج کی پابند ہے اور اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ رسم و راج کے مطابق سخت سے سخت امر کے لئے انسان تیار رہتا ہے جبکہ رواج کے خلاف (چاہے کام آسان ہی کیوں نہ ہو) اس کے لئے بہت مشقت وتگ و دو کی ضرورت ہوتی ہے۔

مبحث دوم: استنباط احکام میں رسم ورواج کی اثر پذیری: دور نبوی وصحابہ میں

رسوم و رواج کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود بعض رسوم و رواج جو کہ مکی یا مدنی زندگی میں سامنے آئے اور وہ اسلام کے عمومی مزاج سے نہیں ٹکراتے تھے تو ان کو ختم نہیں کیا بلکہ باقی رکھا۔ حد تو یہ ہے کہ خود آپ ﷺ نے بہت سے احکام عرب کے اس وقت کے معاشرتی رسوم و رواج کی بنیاد پر استوار اور باقی رکھے جن میں خرید وفروخت سے لے کر نکاح میں کفاءت تک کے امور شامل ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اسلامی حدود کا دائرہ عرب دنیا سے کافی آگے پھیل چکا تھا اور نئے علاقوں کو فتح کرنے سے کئی قسم کی جدید رسوم اور عادات کا سامنا ہو رہا تھا چنانچہ حضرات صحابہ کرام نے بھی اپنے زمانے کے عرف و عادت کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کی اور صالح عرف و رواج پر عمل کرتے ہوئے فاسد رواج کو بالکلیہ ختم کرنے کی کوشش کی اور قابل اصلاح رواج کی اصلاح کرکے اس کو شریعت کے ہم آہنگ کیا۔ اس دور میں بہت سے ایسے مسائل ملتے ہیں جن میں آپ ﷺ یا صحابہ کرام نے مسائل کا استنباط عرف یا رسم ورواج سے کیا ہے، اس سلسلے میں ذیل میں چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں:

۱: آپ ﷺ کے پاس ابوسفیانؓ کی اہلیہ ہندہ بنت عتبہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیانؓ ایک کنجوس شخص ہے، وہ مجھ کو اور میری اولاد کو حسب ضرورت خرچہ نہیں دیتا۔ کیا میں ان کے مال میں سے ان کو اطلاع دیئے بغیر کچھ لے سکتی ہوں؟ اس پر آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوفِ"[۷]۔ (اپنے اور اپنے بچوں کے لئے عرف ورواج کے مطابق جتنا کافی ہو اتنا لے لو)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نان نفقہ اور خرچ میں رواج کے مطابق ہی مقدار کو جائز قرار دیا اور اس میں کسی خاص مقدار کو مقرر نہیں فرمایا جب کہ امام ابن تیمیہؒ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَأَمَرَهَا أَنْ تَأْخُذَ الْكِفَايَةَ بِالْمَعْرُوفِ وَلَمْ يُقَدِّرْ لَهَا نَوْعًا وَلَا قَدْرًا" [۸]۔ (آپؐ نے ابوسفیانؓ کی بیوی کو حکم دیا کہ وہ بقدر ضرورت رواج کے مطابق شوہر کے مال میں سے لے، اور آپؐ نے اس لئے کسی خاص قسم کا خرچہ اور اس کی مقدار متعین نہیں فرمائی)۔

ابن قدامہؒ (المتوفی: ۶۲۰ھ) بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہر انسان اپنے خاندان اور علاقے کے رواج کے مطابق اپنے خاندان والوں پر نان نفقہ اور دیگر اخراجات کرنے کا پابند ہے، چنانچہ امیر آدمی اس وقت کے مطابق بافراغت کھانے پینے کے بندوبست کرنا کا پابند ہے، جو آدمی مالی لحاظ سے تہی دست ہو وہ کفایت (بقدر ضرورت) کو معیار بنا کر خرچہ کرے گا اور متوسط آدمی درمیانہ رویہ اپنائے گا، ان سب باتوں کا خلاصہ انہوں نے خود کیا:

" وَالصَّحِيحُ مَا ذَكَرْنَاهُ، مِنْ رَدِّ النَّفَقَةِ الْمُطْلَقَةِ فِي الشَّرْعِ إلَى الْعُرْفِ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ فِي نَفَقَاتِهِمْ، فِي حَقِّ الْمُوسِرِ وَالْمُعْسِرِ وَالْمُتَوَسِّطِ"[۹]۔ (اور صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ نفع کے بارے میں مطلقاً شریعت کا فیصلہ کرتے ہوئے مال دار، تنگ دست اور درمیانہ حال تینوں قسم کے افراد کے حق میں لوگوں کے درمیان نفع کے رواج کو دیکھا جائے گا)۔

۲: بیع سلم (وہ بیع جس میں قیمت پہلے ادا کیا جائے اور مبیع (فروخت شدہ چیز) کو بعد میں خریدار کے حوالے کیا جائے) کا بیع و شراء کے ضابطے کے مطابق جواز ممکن نہیں اس لئے کہ یہ " بیع ما لیس عندک " ہے یعنی ایسی چیز کا بیچنا ہے جو معاملہء بیع کے وقت بائع کی ملکیت میں ہے ہی نہیں لیکن قرآن و سنت میں اس کا جواز صرف اور صرف تعامل اور لوگوں میں اس کے متعارف ہونے کی وجہ سے درست قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ[۱۰]"۔

اس آیت میں إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ سے مراد بیع سلم ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے" اور ابن جریر طبریؒ بھی جامع البیان میں اس سے مراد بیع سلم ہی لیتے ہیں[۱۲]۔ بیع سلم کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ درج ذیل تعامل بدر الدین عینیؒ نے البنایہ میں ذکر کیا ہے:

" أنه عَلَيْهِ السَّلَامُ: نهى عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم[۱۳]"(آپ ﷺ نے اس چیز کی خرید وفروخت سے منع فرمایا جو کہ انسان کے پاس موجود نہ ہو لیکن بیع سلم میں اجازت دی)۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے بیع سلم کی اجازت بطور عرف ورواج مروی ہے:

قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ وَالْعَامَيْنِ أَوْ قَالَ عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً شَكَّ إِسْمَاعِيلُ فَقَالَ مَنْ سَلَّفَ فِي تَمْرٍ

فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُوم وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ[۱۴]۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ اس وقت پھلوں میں ایک سال یا دو سال کی مدت پر بیع سلم کرتے تھے یا یہ کہا کہ دو سال یا تین سال کی مدت پر سلم کرتے تھے (راوی اسماعیل کو شک ہوا،) آپؐ نے فرمایا: جو شخص کھجور میں بیع سلم کرے تو اسے چاہیے کہ معین ناپ اور مقررہ وزن میں ہو)۔

یہ طریقہ مکہ مکرمہ کے تجارتی رواج کے خلاف تھا، تاہم آپ ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد مکہ کے رواج کو معیار قرار نہیں دیا بلکہ اہل مدینہ کے تعامل کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے رسم کو جائز قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خرید وفروخت، ناپ تول اور کاروبای معاملات میں ہر علاقے کے مخصوص رسم و رواج کو مدّ نظر رکھا جائے گا۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ مفید ہوگا کہ امام بخاریؒ "بَابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الأَمْصَارِ عَلَى مَا يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ فِي البُيُوعِ وَالإِجَارَةِ وَالمِكْيَالِ وَالوَزْنِ، وَسُنَنِهِمْ عَلَى نِيَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمُ المَشْهُورَ[۱۵]" کے عنوان سے صحیح بخاری میں ایک باب لائے ہیں جس میں ان چند احادیث اور واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں رسم ورواج کو معاملات میں شرعی نکتہ نگاہ سے بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس کی طرف علامہ ابن حجرؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "مقصوده بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف "[۱۶] (امام بخاری کا اس باب سے مقصد عرف پر اعتماد کو ثابت کرنا ہے)۔

۲: سیرت میں رسم ورواج کی بنیاد پر قرار دئے جانے عمل کی ایک اور مثال دیت علی العاقلہ کی ہے، قدیم معاشروں میں خون کا بدلہ خون ممکن نہ ہوتا تو قاتل سے مقتول کے ورثا کو تاوان کی شکل میں کچھ مال نقد جنس دلا دیا جاتا۔ البتہ بنی اسرائیل میں خون بہا کا یہ دستور نہ تھا۔ اسلام نے عرب قدیم معاشروں کے رواج کو جائز قرار دیا۔ حضرت عباس نے قرآن حکیم کی آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى "[۱۷] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عفو یہ ہے کہ قتل عمد میں بھی خون بہا قبول کر لیا جائے۔ دیت علی العاقلہ کا معاملہ بھی عرب معاشرے میں ابتداءً رواج پذیر تھا اور آپ ﷺ نے بھی اس رواج کو برقرار رکھتے ہوئے دیت علی العاقلہ کا حکم برقرار رکھا اور اس کے مطابق فیصلے بھی فرمائے، اس سلسلے میں ایک روایت ہے:

"اقْتَتَلَتْ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةَ عَبْدٍ أَوْ وَلِيدَةٍ وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا"[۱۸]

(بنوہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں تو ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مار کر جان سے مار ڈالا، دونوں طرف کے لوگوں نے مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے جنین کی دیت ایک غلام یا باندی کا غرہ (تاوان) ہے اور عورت کی دیت کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ وہ قاتلہ کے عاقلہ پر ہوگی)۔

۳: سیرت کے مطالعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے آپ ﷺ کسی بھی تنازع کی صورت میں فیصلہ فرمانے میں بھی رسم ورواج کو ملحوظ نظر فرماتے تھے چنانچہ ایک انصاری نے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حرہ نامی ندی سے سیرابی کے متعلق جھگڑا کیا جس سے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" سْقِ يَا زُبَيْرُ فَأَمَرَهُ بِالْمَعْرُوفِ ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَى جَارِكَ "[۱۹]

(اے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زمین سیراب کر لے چنانچہ سیرابی کے رائج دستور کے مطابق ان کو حکم دیا کہ اپنے پڑوسی کیلئے چھوڑ دیں)۔

۴: قسم کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ[۲۰] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کھانے کی مقدار اور اس کی کیفیت و کمیت کو مطلق رکھا ہے جس کا مطلب درمیانی درجہ ہے، اس مفہوم پر عرف کے مطابق ہی عمل کرنا ممکن ہے چنانچہ ہر آدمی اپنے سماج اور معاشرت کے مطابق مساکین کو کھانا کھلائے گا، اس بات کا ذکر ابن تیمیہؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" أَنَّ ذَلِكَ مُقَدَّرٌ بِالْعُرْفِ لَا بِالشَّرْعِ؛ فَيُطْعِمُ أَهْلَ كُلِّ بَلَدٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا يُطْعِمُونَ أَهْلِيهِمْ قَدْرًا وَنَوْعًا.. وَهُوَ مَذْهَبُ دَاوُد وَأَصْحَابِهِ مُطْلَقًا. وَالْمَنْقُولُ عَنْ أَكْثَرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِين"[۲۱]

(کھانے کی یہ مذکورہ مقدار رواج کے مطابق ہے نہ کی شرعی لحاظ سے۔ لہٰذا کھانے کی نوعیت اور مقدار میں ہر شہر کے رواج کے مطابق متوسط کھانا کھلایا جائے گا۔ یہی امام داؤد اور اکثر صحابہؓ و تابعینؒ سے منقول ہے)۔

۵: رسم و رواج کے فقہی اعتبار کی ایک مثال عقد استصناع بھی ہے یعنی آرڈر پر کوئی چیز بنوانا۔ قواعد شرعیہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ پیشگی آرڈر پر مال کی خرید وفروخت جائز نہ ہو اس لئے کہ اس میں معدوم کی بیع ہے لیکن عرف و رواج میں لوگوں کے تعامل کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ بدائع والصنائع میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"فَالْقِيَاسُ: أَنْ لَا يَجُوزَ؛ لِأَنَّهُ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَ الْإِنْسَانِ، لَا عَلَى وَجْهِ السَّلَمِ، وَقَدْ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الْإِنْسَانِ، وَرَخَّصَ فِي السَّلَمِ[۲۲]۔

(قاعدہ و قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ یہ ایسی چیز کی خرید وفروخت ہے جو بوقت بیع موجود نہیں، اور نہ ہی اِسے بیع سلم کی طرح قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کے بیع سے روکا ہے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔ اور اجازت خاص طور پر بیع سلم میں دی ہے)۔

عملی زندگی میں ایسی صورت حال کا بھی کبھی سامنا ہوتا ہے کہ ایک جگہ علاقائی رسم و رواج ایک ہوتا ہے جب کہ دوسرے علاقے اور طبقے میں رواج کچھ اور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں شریعت نے مقامی طور پر علاقائی رواج کو ہی معتبر مانا ہے جیسا کہ ایک آدمی نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنے اوپر بُدنہ واجب کر لیا ہے۔ کیا اس کی طرف سے گائے کی قربانی کی صورت میں نذر پوری ہو جائے گی؟ ابن مسعود نے پوچھا کہ جس آدمی نے نذر مانی ہے اس کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ تو اس نے عرض کیا کہ بنو رباح سے، جس پر ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ چونکہ بنو رباح اونٹ پالتے ہیں نہ کہ گائے ،اس لئے ان کے عرف میں بدنہ سے اونٹ ہی مراد ہوگا لہٰذا اس کی نذر کو پوری کرنے کی یہی صورت ہے کہ وہ اونٹ کی قربانی کرے۔ اس واقعہ پر مولف شرح سیر الکبیر فرماتے ہیں:

" وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ عُرْفُ أَهْلِ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ فِيمَا يُطْلِقُونَ عَلَيْهِ مِنْ الِاسْمِ" [۲۳]۔ (حاصل کلام یہ ہے کہ ہر علاقے میں اُسی علاقے کا رواج معتبر ہوگا کہ وہ کسی چیز کو جس نام سے پکاریں)۔

مبحث سوم: استنباط احکام میں رسم ورواج کی اثر پذیری: دورتدوین فقہ میں:

اسلامی قانون سازی اور فقہ کے ارتقاء، وسعت اور ہمہ گیری میں عرف و عادت کے لحاظ کا ایک بڑا حصہ ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ فقہاء کے استنباط مسائل اور اقوال میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن کا تعلق براہ راست معاملات، معاشرت، اور دیگر عائلی قوانین واحکام سے ہے۔ عرف و رواج کی اسی اہمیت کی وجہ سے اصحابِ فقہ واجتہاد کے لئے زمانے کے عرف سے باخبر رہنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد کے ادوار میں محدثین و فقہاء کا سنہری دور شروع ہوتا ہے جن میں اسلامی علوم کی تدوین کا کام تیزی سے پھیلا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ رسم رواج اور عرف کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قالوا فی شروط الاجتهاد: أنه لا بد فيه من معرفة عادات الناس، فكثير من الأحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف أهله ولحدوث ضرورة أو فساد أهل الزمان بحيث لوبقى الحكم على ما كان عليه اوّلا، للزم منه المشقة والضرر بالناس، ولخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد"[۲۴]

(اجتہاد کے شرائط میں فقہاء یہ شرط بھی بیان کرتے ہیں کہ اجتہاد میں لوگوں کی عادات کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ زمانے میں تبدیلی کے ساتھ بہت سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اِس کے متعدد وجوہ ہو سکتے ہیں، مثلاً: اس زمانے کے لوگوں کے رسم و رواج کی تبدیلی ضرورت کا اقتضا، یا لوگوں کے احوال میں اِس بنا پر کسی خرابی کا اندیشہ کہ حکم اگر پہلی صورت پر باقی رہا تو اُن کے لیے ضرر اور مشقت کا باعث اور ہماری اُس شریعت کے قواعد کے خلاف ہو گا جو آسانی، سہولت اور دفع ضرر پر مبنی ہے)۔

اس کے علاوہ معاملات میں رواج کی اہمیت کے حوالے سے فقہاء نے قواعد بنائے ہیں اور عرف سے ثابت شدہ مسئلے کو بھی اسی مسئلے کے برابر قرار دیا ہے جو کسی اور دلیلِ شرعی سے ثابت ہو، چنانچہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں "أَنَّ الثَّابِتَ بِالْعُرْفِ ثَابِتٌ بِدَلِيلٍ شَرْعِي"[۲۵] (جو چیزیں عرف سے ثابت ہوں ان کی شرعی حیثیت نص سے ثابت شدہ مسئلے کی طرح ہے)۔

الف: فقہ اربعہ میں رسم ورواج کا مقام:

فقہاء اربعہ میں امام شافعیؒ کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ دیگر ائمہ کے مقابلے میں عرف ورواج کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تاہم اس کا ہر گز یہ مقصد نہیں کہ امام شافعیؒ بالکلیہ عرف کا انکار کرتے ہیں۔اس کی بہت سی مثالیں خود شوافع کی کتب میں موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"اعلم أن اعتبار العادة و العرف رجع إليه فى الفقه فى مسائل لا تعد كثرة"[۲۶]

(آپ جان لیں کہ فقہ میں لوگوں کے روزمرہ عادت و رواج کا فقہی مسائل میں اتنا زیادہ اعتبار کیا گیا ہے کہ کثرت کی بنیاد پر وہ مسائل شمار نہیں کئے جا سکتے)۔

مذکورہ ادعاء کے بعد علامہ سیوطیؒ نے اس کی کثیر تعداد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بہت سے مسائل کا تذکرہ کیا بھی ہے جن میں سے حیض کی عمر، بلوغ، انزال، طہر کی غالب اور اکثر مقدار، نماز کی منافی افعال، قلّت اور کثرت کی مقدار، ردّ عیب کے مسائل، باغ میں گرے ہوئے پھل کھانا، کرائے پر سواری لینا، ہدیہ کو قبول کرنا یا واپس لوٹا دینا، اور بہت سے مسائل شامل ہیں۔

حنابلہ کی رائے:

حنابلہ میں امام ابن قیم جوزیؒ (المتوفی: ۷۵۱ھ) کی توضیحات اس موضوع میں بہت وقیع ہیں۔آپ حالات، زمانے، علاقے اور عادات میں تبدیلی کی وجہ سے فتویٰ میں بھی تبدیلی کے بارے میں ایک مکمل فصل لائے ہیں جس کی تمہید میں عرف وعادات کی اہمیت کے بارے میں انتہائی جامع اور مانع انداز میں کلام فرمایا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی احکام میں اصل مقصد ہی یہ ہے کہ زمانے اور حالات کو مد نظر رکھ کر شرعی احکام کو بیان کیا جائے۔اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگ مشقت اور حرج سے بچ سکیں گے، اسلامی احکام میں عدل، مصلحت، رحمت اور حکمت کا یہی تقاضا اور مطلوب ہے کیونکہ ہر وہ مسئلہ جو رحمت، مصلحت اور حکمت سے خالی ہو وہ شریعت ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ اس کو تاویل کرکے شریعت میں داخل ہی کیوں نہ کر دیا جائے چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں:

"فإن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد في المعاش والمعاد، وهي عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها؛ فكل

مسألة خرجت عن العدل إلى الجور، وعن الرحمة إلى ضدها، وعن المصلحة إلى المفسدة، وعن الحكمة إلى البعث؛ فليست من الشريعة[۲۷]".

"شریعت کی بنیاد اور اساس معاش و عادات میں حکمت اور مصلحت پر ہے اور ایسا کرنا سراسر عدل رحمت مصلحت اور حکمت ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو عدل کی بجائے ظلم، رحمت کی بجائے ضد اور مصلحت و حکمت کی بجائے فساد پر مبنی ہو اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا"۔

احنافؒ کی رائے:

شرعی احکام کے استنباط میں احناف نے عرف و عادت کو بہت معتبر مانا ہے ان میں احنافؒ کا شمار بہت زیادہ ہے۔ابن نجیم مصریؒ (المتوفی: ۹۷۰ھ) نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں عرف و عادت پر تقریبا دس عنوانات کا تذکرہ کیا ہے جن میں مختلف انداز سے عرف و عادت کا مقام، اہمیت اور اس سے متعلق احکام کا ذکر کیا ہے جس سے احنافؒ کے ہاں عرف و عادت کا مقام و مرتبہ واضح ہو جاتا ہے۔ایک جگہ اس کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا، فقالوا في الأصول في باب ما تترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة."[۲۸]

(یہ بات جان لینی چاہیے کہ مسائلِ فقہیہ میں ایک بڑی تعداد ایسے مسائل کی ہے جن میں رسم ورواج کا اعتبار کیا گیا ہے یہاں تک کہ فقہاء نے اس کو بھی ایک دلیل کے طور پر مان لیا ہے۔چنانچہ فقہاء جن وجوہات کی وجہ سے حقیقی معنیٰ کو ترک کرتے ہیں ان میں سے ایک رواج میں اس کا استعمال اور عادت بھی ہے)۔

اس سے بڑھ کر احناف کے قول کے مطابق قاضی اور مفتی کے لئے عرف سے انحراف کرنا جائز ہی نہیں ہے ،اس کی تائید میں علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے:

"ليس للمفتي ولا للقاضي أن يحكمان على ظاهر المذهب، ويتركا العرف وهذا صريح فيما قلنا أن المفتي لا يفتي بخلاف عرف زمانه."[۲۹]

"مفتی اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عرف کو چھوڑ کر ظاہر الروایہ کے مطابق فیصلہ کریں، اور یہ ہم واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ مفتی اپنے رواج کے رواج کے خلاف فتوی نہیں دے سکتا"۔

مالکیہ کی رائے:

مالکیہ کے معروف امام قرافی (المتوفی: ۶۸۴ھ) نے اپنی کتاب الفروق میں عرف وعادت پر کافی تفصیلی بحث کی ہے، جو پوری کتاب میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس بحث میں عرف کی اقسام (عرف قولی، عرف فعلی، عرف شرعی، عرف زمانی اور عرف لغوی) کو الگ الگ بیان کیا اور جگہ جگہ ان کی مثالیں بیان فرما کر فرداً فرداً ان حکم بھی بیان کیا ہے، اس دوران عرف قولی و فعلی کے مابین فرق کو بھی بیان کیا گیا ہے[۳۰]۔ فتویٰ دینے میں رسم ورواج کو مدّ نظر رکھنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فإذا تغيرت العادة أو بطلت، بطلت هذه الفتاوى، وحرمت الفتوى بها لعدم مدركها فتأمل ذلك، بل تتبع الفتاوى هذه العوائد كيفما تقلبت كما تتبع النقود في كل عصر." [۳۱]

"جب کوئی عادت بدل جائے یا ختم ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ فتاویٰ بھی ختم ہو جائیں گے (جو اس عادت کی بنیاد پر صادر کئے گئے تھے) اس لئے کہ اب عادت کے بدلنے سے وہ وجہ ختم ہو چکی ہے، بلکہ فتاویٰ اُس عادت کے تحت ہی ہوں گے جس طرف وہ عادت جائے گی جیسا ہر زمانے میں کرنسی کا معاملہ ہے۔"

اس کے علاوہ الموافقات میں بھی علامہ شاطبیؒ نے تفصیلی گفتگو کی ہے، چنانچہ ایک مقام پر علاقے کے مختلف ہونے کی صورت میں عادت کے اختلاف کی وجہ سے حکم کی تبدیلی کو جائز قرار دینے کی مثال سر کو ننگا رکھنے یا نہ رکھنے سے دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مغربی ممالک میں سر ننگا رکھنا آداب کے خلاف شمار نہ ہوگا جب کہ مشرقی ممالک میں اس کے خلاف حکم ہوگا۔

"كشف الرأس، فإنه يختلف بحسب البقاع في الواقع، فهو لذوي المروءات قبيح في البلاد المشرقية، وغير قبيح في البلاد المغربية، فالحكم الشرعي يختلف باختلاف ذلك، فيكون عند أهل المشرق قادحا في العدالة، وعند أهل المغرب غير قادح."[۳۲]

(سر ننگا رکھنے کا تصور علاقے کے اختلاف سے بدل جائے گا، مشرقی ممالک میں یہ قبیح متصور ہوگا، نہ کہ مغربی ممالک میں، چنانچہ علاقائی رسم ورواج کی بنیاد پر بھی مسئلہ کا حکم بدل جائے گا۔ اور اسی وجہ سے سر ننگا رکھنے کا شرعی حکم بھی تبدیل ہوگا پس مشرقی ممالک میں یہ آداب و مروت کے خلاف شمار ہوگا اور مغربی ممالک میں نہیں)۔

ب: تدوین فقہ میں رسم ورواج کی اثر پذیری: احکاماتِ مستنبطہ کے تناظر میں:

فقہ اسلامی کی تدوین میں عرف، رسم و رواج کو مکمل طور پر ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے جس کی درخشاں مثالیں فقہی اثاثے میں جابجا ملتی ہیں جن میں سے کچھ نظائر یہاں پر پیش کئے جاتے ہیں:

۱. مفقود الخبر شخص کی بیوی کے بارے میں احناف کا ظاہر الروایہ مسلک انتہائی محتاط اور سخت ہے جو کہ ۹۰ سال سے لے کر ۱۲۰ سال ہے۔[۳۳] یعنی مفقود الخبر شوہر کی بیوی اتنے عرصے تک انتظار کرے گی، اگرچہ مفتیٰ بہ روایت کے مطابق یہ معاملہ قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے گا جو غور و فکر کے بعد مصلحت کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرے گا[۳۴]۔ تاہم ظاہر الروایہ کی صورت میں ۹۰-۱۲۰ سال کا انتظار کرنا پڑے گا جب کہ اس کے برعکس امام مالکؒ کے نزدیک ایسی عورت محض چار سال انتظار کرے گی اور اس کے بعد وہ دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں احوال اور عرف کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہے کہ نوجوان عورتوں کے بارے میں احناف کے قول پر عمل کرنا مشکل ہے چنانچہ آج کل بھی اسی قول کو اپنایا جاتا ہے۔

۲. مختلف ادوار میں اشیاء کی مقدار معلوم کرنے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔ دورِ رسالت میں بعض اشیاء میں لوگوں کا کاروباری رواج یہ تھا کہ اس کی خرید وفروخت کیل (غلّہ کے ماپ تول کا عمل) کے ذریعے کرتے تھے جب کہ بعض اشیاء کی خرید وفروخت تول کر کی جاتی تھی۔ شریعت نے اس معاملے میں بھی زمانے کے رواج کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان اشیاء کے مکیلی اور موزونی ہونے کو برقرار رکھا، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

" وكل شَيْء نَص رَسُول الله عَلَيْهِ السَّلَام على تَحْرِيم التَّفَاضُل فِيهِ كَيْلا فَهُوَ مَكِيل أبدا وَإِن ترك النَّاس الْكَيْل فِيهِ، مثل: الْحِنْطَة وَالشعِير وَالتَّمْر وَالْملح، وكل مَا نَص على تَحْرِيم التَّفَاضُل فِيهِ وزنا فَهُوَ مَوْزُون أبدا وَإِن ترك النَّاس

الْوَزْن فِيهِ، مثل: الذَّهَب وَالْفِضَّة، ومالم ينص عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُول على عادات النَّاس."[۳۵]

"جو اشیاء جس میں حضور ﷺ نے کیلی ہونے کی صورت میں تفاضل کو حرام قرار دیا تھا وہ ہمیشہ مکیلی ہوں گی اگرچہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا چھوڑ دیا ہو مثلاً گندم، نمک۔ جو اور کھجور وغیرہ اور جو چیزیں موزونی تھیں وہ موزونی ہی رہیں گی۔ جن اشیاء پر نص وارد ان کو لوگوں کی عادت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ لوگوں کے تعامل پر فیصلہ کیا جائے"

فقہ اسلامی کے سرخیل اور اپنے وقت کے قاضی جناب امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ وہ منصوص علیہ کے خلاف بھی عرف کا اعتبار کرتے تھے اس لئے کہ دور نبوی میں کسی چیز کے مکیلی یا موزونی ہونے کا حکم عادت اور عرف ہی کی بنیاد پر حکم دیا گیا تھا اور جب عادت بدل گئی تو حکم بھی بدل جائے گا[۳۶]۔

حالیہ زمانے میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں بعض پھل درجن کے حساب سے خریدے اور بیچے جاتے ہیں جب کہ عرب ممالک میں ان کی خرید وفروخت تول کر کی جاتی ہے۔ حج وعمرہ کے موقع پر یا پہلی دفعہ دیار عرب میں جب کوئی پاکستانی کیلے یا مالٹے تول کی بنیاد پر خریدتا ہے تو تعجب کا شکار ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کے اپنے ملکی رسم ورواج کے خلاف ہے، اسی طرح اگر کوئی عرب بھائی پاکستان میں ان چیزوں کو درجن کے حساب سے بیچتا اور خریدتا دیکھے تو یقیناً وہ بھی تعجب کا شکار ہوگا لیکن ان دونوں اشخاص کو اپنے علاقائی عرف کی بنیاد پر دوسرے رواج کو غلط کہنے اور اپنے ہی رسم پر اصرار کا حق تو نہیں دیا جائے گا۔

۳. مال یتیم میں تصرف کے بارے میں جتنے معاملات ہیں ان میں بھی رواج کا بڑا عمل دخل ہے جس میں ایک مضاربت کا مسئلہ ہے۔ حنفیہؒ کے مطابق اس مال کو مضاربت پر دینے کا اختیار وصی کو حاصل ہے لیکن چونکہ بعد کے ادوار میں امانت ودیانت میں کمزوری عام ہو گئی ہے اس لئے فقہاء نے فتویٰ دیا کہ یتیم کے مال میں وصی کو بھی خود مضاربت کا اختیار نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:" أن الوصی لیس لہ المضاربۃ بمال الیتیم فی زماننا."[۳۷]

۴. قرآن کی تعلیم، اذان، اقامت، امامت اور درس وتدریس کا شمار عبادات میں ہوتا ہے جن کی ادائیگی اخروی اجر وثواب کا باعث ہے لہٰذا اصل کی رو سے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے چنانچہ متقدمین کا فتویٰ اسی پر تھا لیکن بعد میں اسلامی سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے عام طور پر بیت المال کا دروازہ اس قسم

کے دینی کام کرنے والوں کے لئے بند کر دیا گیا جس سے اس بات کا خدشہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ لوگ معاش کے لئے زراعت یا تجارت شروع کر دیں تو اس سے دین کا ضیاع ہوگا۔، چنانچہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ علامہ شامیؒ رد المحتار میں فرماتے ہیں:

"وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مِمَّا أَفْتَى بِهِ الْمُتَأَخِّرُونَ عَلَى خِلَافِ أَصْلِ الْمَذْهَبِ لِلْعِلَّةِ الْمَذْكُورَةِ كَمَا أَفْتَوْا بِنَظِيرِ ذَلِكَ فِي مَسْأَلَةِ الِاسْتِئْجَارِ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ مُخَالِفِين لِأَصْلِ الْمَذْهَبِ، لِخَشْيَةِ ضَيَاعِ الْقُرْآنِ."[۳۸]

(اس مذکورہ مسئلہ میں بیان کردہ سبب کی وجہ سے متاخرین علماء کرام نے اصل مذہب کے برعکس فتویٰ دیا جیسا کہ اسی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلے میں قرآن کے ضائع ہونے کے خوف کی وجہ سے اصل مذہب سے ہٹ کر فتویٰ دیا گیا)۔

۵. عرف عام اور تعامل کی بنیاد پر حضرات فقہاء کرام نے مزارعت کے جواز پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے حالانکہ امام ابو حنیفہؒ اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے جب کہ صاحبینؒ اس کے جواز کے قائل تھے اور متاخرین فقہاء نے اسی پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیا. اس جواز کے جہاں اور کئی دلائل ہیں وہیں ایک دلیل عرف و تعامل بھی ہے جس کا لحاظ متاخرین نے کیا۔ موسوعہ فقہیہ الکویتیہ میں اس کی طرف درج ذیل الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

" فَالْمُزَارَعَةُ شَرِيعَةٌ مُتَوَارَثَةٌ، لِتَعَامُلِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ."[۳۹]

(مزارعت کے لئے زمین دینا سابقہ ادوار سے مسلسل جاری شرعی عمل ہے۔ اسلاف اور مابعد کے لوگ بغیر کسی تردید کے اس پر عمل کرتے آرہے ہیں)۔

۶. عمدۃ القاری میں علاقائی رسم و رواج کے معتبر ہونے کے سلسلے میں حسن بصریؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، انہوں نے سواری کے لئے ایک گدھا اجرت پر لینا چاہا اور مالک سے اس کی اجرت معلوم کی جو کہ اس وقت دو دانق (اس وقت کا مروجّہ پیسہ) طے ہوئی۔ کچھ عرصے بعد دوبارہ تشریف لائے اور کرایہ طے کئے بغیر گدھے کو سواری کے لئے لے گئے اور پہلی اجرت کو ہی بنیاد بنا کر اس کے عرف و تعامل

کے مطابق کرایہ ادا کر دیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے انہوں نے اپنے زمانے کے رسم و رواج ہی کی بنیاد پر فقہی ایک مسئلہ کا استنباط کیا[۴۰]۔

۷. مکان کی خریداری کے سلسلے میں خیار رؤیت ساقط ہونے کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ گھر کے صحن اور کمروں کا ظاہری حصّہ دیکھنے سے یہ خیار ساقط ہو جائے گا کیونکہ ان کے زمانے میں لوگوں میں ایک ہی طرح کے گھر بنانے کا رواج تھا لہٰذا ظاہری حصہ دیکھنا کافی تھا لیکن جب یہ رسم و رواج تبدیل ہوا اور گھروں کے طرزِ تعمیر میں تبدیلی آئی تو اس وقت کے علماء نے امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ دینا شروع کر دیا جس کے مطابق گھر کی خریداری میں اندرونی حصہ بھی دیکھنا ضروری ہے اور متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا شروع کر دیا چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وقال زفر: لا بد من رؤية داخل البيوت، وهو الصحيح، وعليه الفتوى."[۴۱]

(امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ گھر کا اندرونی حصہ دیکھنا ضروری ہے، یہی صحیح ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے)۔

۸. اگر ایک آدمی قرآن کی قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ تک نہیں جاؤں گا تو یہ ایلاء شمار ہوگا یا نہیں؟۔ اس میں فقہاء مقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے، چنانچہ متقدمین اس کو ایلاء نہیں سمجھتے تھے جب کہ متاخرین کے ہاں یہ قسم شمار ہو گی کیونکہ پہلے ادوار میں قرآن کی قسم کا رواج نہیں تھا اور بعد کے ادوار میں لوگ قرآن کی قسم بھی کھانے لگے۔ آج کے دور میں بھی ایسا ہی ہے، لہٰذا رواج کے بدل جانے کی وجہ سے قسم مراد لی جائے گی اور وہی معنی مراد لیا جائے گا جو عرف میں مشہور ہو، شمس الائمہ سرخسیؒ اس مسئلہ کے بارے میں اپنے زمانے کا عرف و رواج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَإِذَا قَالَ وَالْقُرْآنِ لَا أَقْرَبُك لَا يَكُونُ مُولِيًا؛ لِأَنَّ النَّاسَ لَمْ يَتَعَارَفُوا الْحَلِفَ بِالْقُرْآنِ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْأَيْمَانِ الْعُرْفُ."[۴۲]

(اور جب شوہر کہے کہ قرآن کی قسم! میں تیرے قریب نہ ہوں گا تو یہ ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ لوگوں میں قرآن کی قسم کا رواج نہیں، اور قسم کے سلسلے میں رواج کا اعتبار ہے)۔

یہ بات بطور خاص ملحوظ نظر رہے کہ جن مسائل کا استنباط رسم و رواج کی بنیاد پر کیا گیا ہے انہیں عمومی طور پر استحسانی مسائل کہتے ہیں اور ایسے مسائل کی ایک وافر تعداد کتب فقہیہ میں موجود ہے کہ ان کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ یہ مسائل قیاس سے نہیں بلکہ استحسان سے ثابت ہیں۔

مبحث چہارم: عصر حاضر میں استنباط احکام میں رسم ورواج سے استفادہ:

اجتہادی مسائل میں ہر زمانہ کے رسم ورواج کی رعایت ضروری ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ عرف کی وجہ سے احکام بدل جائیں گے کیونکہ تمام اجتہادی احکام اگر ہمیشہ اپنے حال پر باقی رہیں اور عرف ورواج کی وجہ سے تبدیل نہ ہوں تو یہ لوگوں کی مشقت وضرر کا باعث بنیں گے جو کہ شریعت کے فلسفہ یسر وتخفیف کے منافی ہے۔

فقہ اسلامی میں جن مسائل کی بنیاد عرف، رسوم ورواج پر ہو تو عرف کے بدلنے سے اس سابقہ جزئیات پر اصرار معقول نہیں ہوگا کیونکہ رسوم ورواج مخصوص حالات کی پیداوار ہوتے ہیں اور خاص ضروریات کے تحت ایک کام کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو حالات وضروریات کے مطابق مفید پاکر اس پر عمل کرنے لگتے ہیں، یہ عمل رفتہ رفتہ اجتماعی اور پھر روایتی شکل اختیار کرلیتا ہے اور آخر کار معاشرہ کی اجتماعی قوت کی بدولت اس کو رسم یا رواج کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔ جو کام مخصوص حالات میں مفید ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس کا ہر حالت میں مفید ہونا ضروری نہیں ہوتا اور بسا اوقات حالات میں ایسی تبدیلی ہوجاتی ہے کہ یہ کام کرتے رہنے سے الٹا نقصان پہنچ جاتا ہے، رسم ورواج کا بالکل یہی حال ہے، حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور یہ نہایت ضروری ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسم ورواج میں بھی تبدیلی ہوتی رہے کیونکہ تبدیلی نہ ہونے سے اچھی رسمیں بھی رفتہ رفتہ بری ہوجاتی ہیں۔ موجودہ معاشرے میں جو بری رسمیں پائی جاتی ہیں ممکن ہے کہ اس زمانے کے حالات میں جب ان کا آغاز ہوا تھا وہ بہت اچھی اور مفید ہوں لیکن آگے چل کر حالات بدل جانے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسموں میں مناسب تبدیلی نہ ہونے کی وجہ سے یہ رسمیں بری ہوگئیں اور ان سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے لگا۔ اب اگر ان رسموں پر آنکھ بند کرکے بدستور عمل کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر معاشرہ کے حق میں تباہ کن ہوگا[۴۳]۔

خیر القرون اور اس کے بعد فقہاء ومحدثین کے زمانے میں جس طرح رسم ورواج کے مطابق احکام میں تبدیلی کی گئی اسی طرح کا معاملہ معاصر علماء نے بھی کیا اور آج کل کے دور میں بھی کثیر تعداد میں ایسے مسائل موجود ہیں جن کا حکم بیان کرنے میں علماء نے معاصر رسم ورواج کو سامنے رکھا چنانچہ معاصر عالم دین صالح بن محمد فرماتے ہیں:

"إذا جاء حكمٌ من الشرع، أو اسمٌ عُلِّق به حكم شرعي، ولم يُحَدّ، لا في الشرع، ولا في اللغة؛ فإنه يُرْجَع حينئذ إلى العرف ويكون مُحَكَّما، وهو ما يشير إليه الفقهاء بقولهم: (العرف مُحكَم)"[٤٤]

(جب کوئی ایسا شرعی حکم آجائے جس پر دوسرا شرعی حکم معلّق ہو اور وہ شرعی یا لغوی طور پر محدود نہ ہو تو اس صورت میں عرف کی طرف حکم کی نسبت ہو گی۔ اس صورت میں عرف محکم متصور ہوگا اسی کی طرف فقہاء نے العرف مُحَكَّمٌ کہ کر اشارہ کیا ہے)۔

عصر حاضر میں احکام کے سلسلے میں معاصر رسم ورواج کے اعتبار کے بارے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

مثال نمبر ۱: قرآن وحدیث کی رُو سے فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے لیکن شریعت اور لغت میں اس کی تعریف میں خرچے کی عددی حد مقرر نہیں ہے کہ کتنے روپے خرچ کرنے والا فضول خرچ کہلائے گا ۔ چنانچہ اس کا ہر علاقے میں حد بندی کا علم وہاں کے رسم ورواج اور عرف کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں چونکہ ہر جگہ اور طبقے کے عرف میں تبدیلی پائی جاتی ہے اس لئے جس علاقے کے عوام الناس میں جس عمل میں جو چیز اسراف مانی جائے گی وہ اسراف شمار ہو گی۔[٤٥]

مثال نمبر ۲: اگر بائع اور مشتری کسی زمین کا سودا کریں تو چونکہ موجودہ زمانے کا رواجی مفہوم یہی ہے کہ جب لفظ "زمین" بولا جاتا ہے تو اس سے زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے وہ مراد ہوتا ہے اس لئے اگر بائع اور مشتری بیع کے دوران یہ شرط نہ بھی لگائیں تب بھی وہ زمین کی بیع میں داخل ہوگا۔[٤٦]

مثال نمبر ۳: عصر حاضر میں احکام کے استنباط کے سلسلے میں معاصر رواج کا اعتبار کرنے میں بطور مثال Warranty کے معاملے کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے چنانچہ آج کل بعض افراد یا کمپنیاں اشیاء فروخت کرنے کے لئے ایک مخصوص مدت تک اس کے خراب ہونے کی صورت میں نقصان کے تلافی کی ذمّہ قبول کرتی ہیں جسے Warranty کہتے ہیں اور لوگ وہ اشیاء اس شرط پر خریدتے ہیں کہ کمپنی یا فرد اُس مقررہ مدت میں اس کی خرابی کے ضامن ہوں گے۔ اس مسئلے کا اگر شرعی طور پر جائزہ لیا جائے تو بظاہر یہ عقد درست معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ بیع اور شرط ایک ساتھ پائے جا رہے ہیں اور آپ ﷺ نے بیع اور شرط ایک ساتھ جمع کرنے سے منع فرمایا ہے[٤٧]۔

شریعت یہ چاہتی ہے کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ایسی کوئی شرط نہ لگائی جائے جو معاملہ بیع کے اصل تقاضوں کے خلاف ہو، کیونکہ بیع کے ذریعہ خریدار سودے کا مکمل مالک ہو جاتا ہے اور وہ اس میں ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہے، اب اگر بیچنے والا ایسی کوئی شرط لگادے جس سے خریدار کے اس تصرف کے اختیار پر کسی قسم کی پابندی عائد ہوتی ہو تو یہ شرط نامناسب سمجھی جاتی ہے اور معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید و فروخت کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کوئی شرط عرف و رواج کا درجہ حاصل کر لے تو پھر معاملہ کے ساتھ ایسی شرط عائد کرنے میں کوئی قباحت نہیں ۔فقہاء نے اس طرح کے معاملات کو عرف کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے:

"یہ دراصل محض تبرع کی شکل ہے اور بیع وشرا میں مبیع کے سلسلہ میں گارنٹی یا وارنٹی دینے کی طرح ہے، پس یہ جائز ہے۔"[۴۸]

مثال نمبر۴: قرآن کا ادب ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ ایمان کا تقاضا بھی ہے تاہم اس ادب کے مظاہرے کے طریقہ کار علاقے کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں عرب میں بعض روایات ایسی ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں ان کا تصور بھی محال ہے، لہٰذا اس رسم و رواج کی تبدیلی کی وجہ سے ادب کا معیار بھی مختلف ہوگا۔ کفایت المفتی میں اسی بات کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

"اگر کسی صورت کو عرفِ عام میں بے ادبی قرار دیا جائے تو وہ بے ادبی ہوگی"۔[۴۹]

اگر علاقائی رسم و رواج کو مدّ نظر نہ رکھا جائے تو شاید حرمین شرفین میں قرآن مجید کو صفِ نماز پر رکھنے یا ہاتھ میں کسی عام کتاب کے انداز سے لے کر مسجد میں چلنے یا مسجد میں عرب نوجوانوں کو اپنے موبائل فون پر تلاوت کلام پاک کرتے دیکھ کر ہمارے پاکستانی بھائی اسے ادب سے نابلد قرار دیں۔ اسی طرح برصغیر کے کسی فرد کا بزرگ کے ہاتھ چومنے کو کوئی عرب شہری دیکھ کر سخت حکم لگادے۔

مثال نمبر۵: تملیک اور ہبہ میں لغوی اعتبار سے عموم خصوص کی نسبت ہے چنانچہ تملیک عام اور ہبہ خاص ہے یعنی ہر ہبہ میں تملیک ہے لیکن ہر تملیک ہبہ کا نتیجہ نہیں لیکن موجودہ زمانے کے عادت و رواج کے مطابق یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادفات بن کر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی لئے آج کے دور میں جب لفظ تملیک بولا جائے گا تو اس سے بھی ہبہ ہی متصور ہوگا اسی کے بارے میں فتاویٰ حقانیہ میں مذکور ہے کہ اگر بیٹے باپ کو اپنی تنخواہ سے ہر ماہ رقم دیں تو المعروف کالمشروط کے تحت وہ باپ کی ملکیت ہوگی اور یہ ہبہ ہوگا۔[۵۰]

مثال نمبر ۶: مہر کے بغیر نکاح درست نہیں ہے اور اس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ نکاح کے وقت اس کا ذکر کرنا بھی علماء کے ہاں اسی طرح سے ضروری ہے لیکن بوقت نکاح مہر کی تعجیل یا تاجیل کا ذکر نہ ہو تو اس صورت میں مہر کا فیصلہ معاصر رسم ورواج کے مطابق ہوگا[۵۱]۔ چنانچہ جس علاقے یا خاندان میں مہر کے بارے میں تعجیل کا رواج ہو وہاں مہر اسی وقت ادا کیا جائے گا اور جہاں تاجیل کا رواج ہو وہاں اس میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔

مثال نمبر ۷: روٹی اور آٹا بظاہر اموال ربویہ میں سے ہیں اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو گن کر بطور قرض لینا جائز نہ ہو اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے لیکن موجودہ دور میں روٹی گن کر بیچی جاتی ہے اور اگر دو نانبائیوں کو آپس میں بطور قرض لینے کی ضرورت ہو تو گن کر ہی دیتے ہیں۔ گھریلو طور پر بھی گھروں میں عدد کے طور پر لینا دینا ہو سکتا ہے لہٰذا امام محمدؒ نے اپنے دور میں لوگوں کا تعامل دیکھتے ہوئے آٹے اور روٹی کی لین دین کو بطور قرض جائز قرار دیا اور آج بھی یہی قول مختار ہے[۵۲]۔

مثال نمبر ۸: عام طور پر ٹیلرنگ سنٹر یا کسی اور کارخانے میں ایک ملازم کچھ عرصے کے بعد سیکھنے کے عمل سے گزر کر اپنے مالک کا معاون یا کاریگر بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اُس کاریگر کو مال کی تیاری میں کس حد تک منافع میں شریک کیا جائے گا اس بارے میں بھی اس وقت کے رواج سے مدد لی جائے گی اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اس لئے کہ ان معاملات میں کاروباری رواج ہی معتبر مانا جاتا ہے۔

مثال نمبر ۹: موجودہ زمانے میں ہوٹلوں میں کھانے وغیرہ کے لئے بوفے سسٹم Buffet System رائج ہے جس میں ایک مخصوص رقم کے عوض مختلف انواع کے کھانے ایک ساتھ رکھے ہوتے ہیں۔ کھانے کی مقدار پر کوئی پابندی نہیں ہوتی اور کوئی بھی آدمی اس میں اپنی مرضی سے جتنا چاہے کھا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو اگر فقہی آراء کے معیار پر پرکھا جائے تو اس کے جواز کا قول کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ یہ مجہول کی بیع ہے یعنی ہوٹل والا ایک نامعلوم مقدار بیچ رہا ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ کھانا کھانے والا اس بوفے سسٹم میں کون کونسے کھانے کھائے گا اور کتنی مقدار میں کھائے گا اور مجہول کی بیع ناجائز ہے لیکن اس مسئلہ کو کتابوں میں بیان کردہ فقہی جزئیہ "حمام میں نہانے" پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ جس طرح حمام میں نہاتے ہوئے پانی اور صابن وغیرہ کی مقدار متعین نہیں کی جاتی اور جاری رسم ورواج کی بنا پر اس کو جائز کہا جاتا ہے۔[۵۳] اسی طرح یہاں بھی رواج کا لحاظ رکھتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔

خلاصہ بحث:

اس مقالہ/مضمون میں بیان کردہ مباحث کی تلخیص درج ذیل نکات کے تحت بیان کی جاسکتی ہے:

۱. اسلام دین فطرت ہے جس میں انسانی فطرت اور ہر علاقے کی تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔
۲. مختلف علاقوں کے بسنے والے انسانوں کے اطوار، رسم و رواج کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے ان کو بالکلیہ نظرانداز نہیں کیا اور نہ مکمل آزاد چھوڑا، بلکہ ایک حد تک اس کی تہذیب وضروری ترتیب کی۔
۳. شریعت میں کسی ایک علاقے کے رسم و رواج کو دوسرے علاقے کے رسم و رواج پر غلبہ نہیں دیا گیا بلکہ ہر علاقے اور زمانے کے عرف (رسم و رواج) کا اعتبار کرتے ہوئے سب کو برابر حیثیت دی گئی ہے۔
۴. کسی ایک زمانے کے عرف و رواج پر مبنی احکامات کو مابعد ادوار کے لئے (جب کہ وہ سابقہ رواج باقی نہ رہا ہو) باقی قرار دینے پر اصرار کرنا شریعت کے اصولی مزاج سے موافقت نہیں رکھتا۔
۵. کسی ایک علاقے کے رسم و رواج کی دوسرے علاقے سے موافقت نہ ہونے کے باوجود اس دوسرے علاقے میں اصرار کرنا معیوب قرار دیا جاسکتا ہے۔
۶. تعلیمات اسلامی کی تعبیر و تشریح کا مسئلہ ہو یا فتویٰ نویسی کا عمل ہو، بہر دو صورت علاقائی رسم ورواج پر گہری نظر رکھنی چاہیے ورنہ فقہی جزئیات ناقابل عمل اور جمود کا شکار ہو جائیں گی۔

حواشی وحوالہ جات:

[۱]۔ پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع: ۲۰۱۰، ص: ۲۰

[۲] ایضا، ص: ۲۱

[۳]- الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه (صحيح البخاري)، ج: ۱، ص: ۲۵، حديث: نمبر ٦٩، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، دار طوق النجاة

[۴]۔ حجۃ اللہ البالغۃ، ج: ۱، ص: ۲۱۸، إحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور (شاہ ولی اللہ الدہلوی) (المتوفی: ۱۱۷۶ھ)، دار الجیل، بیروت، لبنان، ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء

[۵]-الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، ج: ۱، ص: ۷۹، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: ۹۷۰هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۱٤۱۹ هـ - ۱۹۹۹ ء

[۶]۔ شرح عقود رسم المفتی ص ۷۲، مکتبہ دار الطیبہ

[۷] ۔ صحیح البخاری، ج: ۳، ص: ۷۹، حدیث: ۲۲۱۱

[۸] ۔مجموع الفتاوى، ج: ٣٤،ص: ٨٦، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى: ٧٢٨هـ)، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية،١٤١٦هـ-١٩٩٥ء

[۹] ۔المغني لابن قدامة، ج: ٨،ص:١٩٨، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسى (المتوفى: ٦٢٠هـ)، مكتبة القاهرة

[۱۰] ۔ البقرة :٢٨٢

[۱۱] ۔تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة)، ج ٢ص ٢٧٤، محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: ٣٣٣هـ)، دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان، :١٤٢٦ هـ - ٢٠٠٥ ء

[۱۲] ۔جامع البيان في تأويل القرآن، ج:٦، ص:٤٣، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: ٣١٠هـ)، مؤسسة الرسالة، ١٤٢٠ هـ - ٢٠٠٠ ء

[۱۳] ۔البناية شرح الهداية، ج: ٨، ص: ٣٢٩، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: ٨٥٥هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ١٤٢٠ هـ - ٢٠٠٠ء

[۱۴] ۔صحيح البخاري، ج:٣، ص: ٨٥، حديث: ٢٢٣٩ بَابُ السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ،صحيح مسلم ج ٣ص ١٢٢٧ باب السلم

[۱۵] ۔ايضا، ص: ٧٨

[۱۶] ۔: فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج: ٤،ص: ٤٠٦، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي ، دار المعرفة - بيروت، ١٣٧٩

[۱۷] ۔ البقرة:١٧٨

[۱۸] ۔سنن أبي داودوال، ج: ٤،ص: ١٩٢، بَابُ دِيَةِ الْجَنِينِ ، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: ٢٧٥هـ)، المكتبة العصرية، صيدا - بيروت

[۱۹] ۔صحيح البخاري، ج: ٣،ص: ١١١،حديث: ٢٣٥٩

[۲۰] المائدة : ٨٩

[۲۱] ۔مجموع الفتاوى، ج: ٣٥،ص: ٣٥٠

[۲۲] ۔بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج: ٥،ص: ٣، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: ٥٨٧هـ)، دار الكتب العلمية، ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦ء

[۲۳]۔شرح السير الكبير،ج: ۱،ص: ۱۸۰۳، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: ٤٨٣هـ)، الشركة الشرقية للإعلانات،۱۹۷۱ء

[۲٤]۔۔مجموعة رسائل ابن عابدين، ج:۲،ص: ۱۲۵ ، علامه سيد محمد امين افندى ابن عابدين

[۲۵]۔المبسوط،ج: ۱۳،ص: ١٤، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: ٤٨٣هـ)، دار المعرفة – بيروت، ١٤١٤هـ – ١٩٩٣ء

[۲٦]۔الأشباه والنظائر،ج:۱،ص: ۹۰

[۲۷]۔إعلام الموقعين عن رب العالمين،۳:ج،ص: ۱۱، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: ۷۵۱هـ)، دار الكتب العلمية –بيروت،١٤١١هـ – ١٩٩١ء

[۲۸]۔الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ،ج: ۱،ص:۷۹

[۲۹]۔ شرح عقود رسم المفتى، ص: ۴۰

[۳۰]۔ أنوار البروق في أنواء الفروق، ج:۱،ص:۱۸۷، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكي الشهير بالقرافي (المتوفى: ٦٨٤هـ)، عالم الكتب

[۳۱]۔ايضا، ص:۲۸۸

[۳۲]۔الموافقات، ج:۲،ص:٤٨٩، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي (المتوفى: ۷۹۰هـ)، دار ابن عفان، ١٤١٧هـ–١٩٩٧ء

[۳۳]۔الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ ،ج: ٦،ص: ٤٨٧٥، أ. د. وَهْبَة بن مصطفى الزُّحَيْلِيّ، أستاذ ورئيس قسم الفقه الإسلاميّ وأصوله بجامعة دمشق –كلّيَّة الشَّريعة،ل، دار الفكر، سوريَّة، دمشق

[۳٤]۔ايضا،ج: ۱۰،ص: ۷۸۹۲

[۳۵]۔متن بداية المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة،ج:۱،ص: ۱۳۹، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: ٥٩٣هـ)، مكتبة ومطبعة محمد علي صبح، القاهرة

[۳٦]رسائل ابن عابدين ، ج: ۲، ص: ۱۱۸

[۳۷]۔مجموعة رسائل ابن عابدين ،ج: ۲،ص: ۱۲۶

[۳۸]۔رد المحتار على الدر المختار، ج: ٦، ص: ۷۸۸، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: ۱۲۵۲هـ)، دار الفكر، بيروت، ، ١٤١٢هـ – ١٩٩٢ء

[۳۹]۔الموسوعة الفقهية الكويتية،ج: ۳۷،ص: ۵۱،وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت، (١٤٠٤ –تا ١٤٢٧ هـ) ، دارالسلاسل، الكويت

[40]۔ایضا، ج: ۱۲،ص: ۱۷

[41]۔الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، ج: ۱،ص: ٤٠٥، محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدين الحصكفي الحنفي (المتوفى: ۱۰۸۸هـ)، دار الكتب العلمية، ۱٤۲۳هـ-۲۰۰۲ء

[42]۔المبسوط، ج: ۷،ص: ۲٤

[43] پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص: ۲۳

[44]۔مجموعة الفوائد البهية على منظومة القواعد الفقهية، ج ۱ص ۹۳، أبو مُحَمَّدٍ، صالحُ بنُ مُحَمَّدٍ بنِ حسنٍ آلُ عُمَيِّرٍ، الأسمريُّ، القحْطانيُّ، دار الصميعي للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، ۱٤۲۰ هـ - ۲۰۰۰ ء

[45]۔نفس المصدر

[46]۔ایضا، ج:۱، ص: ۹٤

[47]۔العرف الشذي شرح سنن الترمذي، ج: ۳،ص: ۳٤، محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي (المتوفى: ۱۳۵۳هـ)، دار التراث العربي -بيروت، ۱٤۲۵ هـ - ۲۰۰٤ ء

[48]۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند انڈیا ، سوال نمبر:۵۵۶۹۸، فتویٰ آئی ڈی-1479 1517/N=1/1436-U، تاریخ اجراء۹ نومبر ۲۰۱٤ء

[49]۔ کفایۃ المفتی، ج:۱، ص:۱۲۶، مفتی محمد کف: اللہ دیلوی، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی، جولائی ۲۰۰۱ء

[50]۔ فتاویٰ حقانیہ، ج:۶، ص: ۳۷۳، کتاب الھبہ، مولانا عبدالحق، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ۲۰۱۰ء

[51]۔ ایضا، ج: ۴، ص: ۳۶۳

[52]۔ ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۵، ص: ۱۸۵

[53]۔فتاویٰ عالمگیری(الفتاوى الهندية)، ج: ٤، ص: ٤۷۲، لجنة علماء برئاسة نظام الدين، دار الفكر، ۱۳۱۰ هـ